احمد ندیم قاسمی کے افسانے "پاؤں کا کانٹا" کا نفسیاتی مطالعہ

ڈاکٹر سید زبیر شاہ ایسوسی ایٹ پروفیسر
گورنمنٹ ڈگری کالج زیدہ
ڈاکٹر نذر عابد صدر شعبہ ہزارہ یونی ورسٹی

ABSTRACT

Ahmad Nadeem Qasimi, enacted and executed an imperative and far-reaching role in the evolution, development and expansion of Urdu fiction. It remains a hallmark of his fiction to highlight the important issues of Rural and Urban centuries, more effectively through creative writings. As an authentic and persuasive fiction writer, he has all commands over the psyche of his characters, that's why a realistic social picture forcing to think alike is being perceived through the eyes of the his readers. ***"Paon Ka Kanta"*** is one of the representative stories of such kind, in which the psychology of a step-mother is being unfolded in its different facets and features. This piece of fiction writing explains the psychological reasoning behind the cruelty elements of the main character in story.

(کلیدی الفاظ)

احمد ندیم قاسمی۔ کریم۔ سوتیلی ماں۔ کانٹا۔ نفسیاتی الجھن۔ مجرمانہ ذہنیت۔ سرد مہری ۔ تشدد۔ نسائی پندار۔ سماجی رویے

اردو افسانے کے آغاز و ارتقا کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ اس سفر کے ہر موڑ پر ایسی ایسی نابغہ روزگار ہستیاں کارواں میں شامل ہوتی رہی ہیں جنھوں نے اردو افسانے کے ایوان کو نہ صرف

مضبوط سے مضبوط تر کیا بلکہ اس ایوان کے نقش و نگار میں اپنے فنی کمالات کے وہ جوہر دکھائے کہ باقی اصنافِ ادب دیکھتی رہ گئیں۔ راشد الخیری، پریم چند، سجاد حیدر یلدرم، سعادت حسن منٹو، کرشن چندر، عصمت چغتائی، انتظار حسین، اشفاق احمد، بانو قدسیہ، ہاجرہ مسرور، خدیجہ مستور، منشایاد، قرۃ العین حیدر، غلام عباس، شوکت صدیقی، ممتاز مفتی، زاہدہ حنا، وغیرہ ایسے ہی چند نام ہیں جنھوں نے اردو افسانے کی بنیاد رکھنے اور سماج سے اس کا رشتہ جوڑے رکھنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو ایک مخصوص انداز میں لکھتے رہے اور کچھ ایسے بھی ہیں جنھوں نے ایک امتزاجی رنگ سے اپنے افسانوی کینوس کو سجائے رکھا۔ جہاں تک اس کارواں کے ایک اہم تخلیق کار احمد ندیم قاسمی کا تعلق ہے تو ان کے ہاں ہمیں زندگی دو مختلف دھاروں میں بہتی ہوئی نظر آتی ہے۔ انھوں نے دیہی معاشرے کو گھول کر پیا تھا اسی لیے ان کے ہاں دیہاتی کرداروں کی جو نفسیات سامنے آتی ہیں اس پس منظر میں ہم دیہات کے مسائل اور نفسیات سے بخوبی آگاہ ہوتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان کے ہاں ہمیں شہری زندگی کی ہنگامہ خیزیوں کی ایک بالکل مختلف تصویر بھی نظر آتی ہے جو قطعی طور پر اپنا ایک الگ اور منفرد ذائقہ رکھتی ہے۔ تاہم یہاں بھی ان کے ہاں انسانی نفسیات کو جس مہارت سے پیش کرنے کی سعی کارفرما رہتی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ احمد ندیم قاسمی نے افسانے کے پرانے پیراہن کو جدید حسیات کے بیل بوٹوں سے مزین کر کے اس میں ایک ندرت اور جدت پیدا کرنے کی ایسی کوشش کی ہے کہ قدامت اور جدت ایک ہوتے ہوئے بھی اپنی اپنی انفرادیت برقرار رکھتی ہیں۔ اس خوبی کو ذہن میں رکھتے ہوئے یہاں فوزیہ اختر کی اس رائے سے اتفاق کرنا پڑتا ہے:

"جدت پسندوں کو تجربات کا شوق سہی لیکن تجربہ روایت سے جدا ہو کر نہیں کیا جا سکتا۔ قاسمی صاحب کے تمام افسانوی

تجربات اپنی مٹی، تہذیب، روایت، تجربے اور جڑ سے جُڑے ہوئے ہیں۔"(1)

اپنی مٹی، تہذیب اور روایت سے جڑے رہنے کی یہی خوبی ہے جس نے قاسمی صاحب سے لازوال افسانے لکھوائے۔ یہ بات محلِ نظر رہے کہ ابتدائی دور میں قاسمی صاحب اس بات کے حامی تھے کہ لکھنے کے لیے لازمی ہے کہ جو تخلیق کار جس ماحول کا پروردہ ہو اسی کی عکاسی کرے۔ کیونکہ دیہات کی دھول اور مٹی میں شب و روز گزارنے والے کو یہ اندازہ نہیں ہو سکتا کہ جگمگاتے شہروں

کی روشنیوں میں کون کون سی تاریکیاں چھپی ہوتی ہیں، اسی طرح شہر کے سہولت بھری زندگی کے مزے لوٹنے والے کو یہ احساس ہو ہی نہیں سکتا کہ محرومی اور لاچارگی کس بلا کا نام ہے۔ تاہم آگے جا کر زمان و مکان کی یہ حد بندی ان کے فن کی بے کرانی کو ناگوار گزری اس لیے انھوں نے دیہات کے ساتھ ساتھ شہر اور شہر کے ساتھ ساتھ عالمی منظر نامے کا کا احاطہ کیا۔ اپنے فنی اور فکری دائرے کو پھیلانے کے لیے انھوں نے گاؤں سے لاہور جیسے بڑے اور علمی و ادبی شہر کا رُخ کیا تو سوچ اور فکر کے دھاگے زمینی حقائق کے نئے پہلوؤں سے جڑ گئے۔ لیکن ان کے افسانوں کا مجموعی رجحان وہی طبقاتی تقسیم رہا، کہیں پہ ظالم و مظلوم کی داستانیں سنائیں، تو کہیں پہ امیر غریب کے خانوں میں بٹے ہوئے انسانی معاشرے کو طنز کا نشانہ بنایا۔ اپنے مجموعے "طلوع و غروب" کے دیباچے میں وہ لکھتے ہیں:

"میں نے پھٹے ہوئے ہونٹوں سے آہوں کے دھوئیں اٹھتے دیکھے ہیں۔ میں نے موت کی چڑیلوں کو تیرہ نصیب
مریضوں کے سرہانے دانت کچکچاتے اور انگلیاں چٹخاتے دیکھا ہے۔ میں نے زندگی کی نعش کو گلتے سڑتے دیکھا
ہے۔ میں نے پھول کی نرم پتیوں پر کانپتے ہوئے اوس کے موتیوں کو اس قدر غور سے نہیں دیکھا جتنا گرد آلود
پلکوں میں اٹکے ہوئے دھندلے آنسوؤں کو۔۔۔! میں نے کلکاریاں مارتے ہوئے ان امیر بچوں کی طرف اتنی
توجہ نہیں دی جو گدگدے ہنڈولوں میں جھولتے رہے بلکہ میں نے غریبوں کی اس روتی اور بلکتی ہوئی اولاد کو
نہایت قریب سے دیکھا ہے جس کی دھجیوں سے بدبو آتی ہے، جس کی آنکھوں سے کئی دن کا عفونت خیز میل چپکا
رہتا ہے اور جس کی ہنسی میں بھی مجھے غم و اندوہ کے بھتنے تالیاں بجاتے نظر آتے ہیں۔"(2)

ان کی شخصیت کا ایک مثبت پہلو یہ بھی ہے کہ وہ بہ یک وقت ایک اچھے شاعر بھی ہیں اور ایک بہترین افسانے نگار بھی، وہ جہاں ضروری سمجھتے ہیں افسانوی اسلوب کے لیے شعری صلاحیتوں کو بروئے کار لے آتے ہیں اور جہاں شعر و نظم میں ضرورت محسوس کرتے ہیں وہاں اپنی افسانہ نگاری کے فن سے استفادہ کر لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں نہ تو خیال کسی کا چربہ ہے اور نہ اسلوب کسی سے مستعار لیا ہوا ہتھیار، بلکہ جو کچھ ہے، خالص ہے اور ان کا اپنا ہے۔ انھوں نے اپنے فن کی بنیاد ذاتی تجربات اور مشاہدات پر رکھی ہے اس لیے ان کے ہاں زندگی کی حقیقی تصویریں نظر آتی ہیں۔ اپنے ہر افسانے میں وہ ایک ایسی فضا قائم کر لیتے ہیں جس سے ان کا قاری شناسائی محسوس کرتا ہے، اور وہ افسانے کے کردار میں اتر کر اصل سچائیوں کا ادراک حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ بقول پروفیسر قمر رئیس:

"اس کے (احمد ندیم قاسمی) بیشتر افسانوں کی بنیاد کوئی نفسیاتی گرہ ہوتی ہے، جسے وہ انسانی سیرت کے نہاں خانوں
میں بڑی ہنر مندی اور ژرف بینی سے دیکھتا ہے، اس کا تجزیہ کرتا اور آخر میں کھولتا ہے۔ لیکن اس نفسیاتی حقیقت
کے گرد جو عام ذہنی اور سماجی فضا ہوتی ہے اکثر اس نفسیاتی گرہ کے کھلنے سے اس کا طلسم بھی کھل جاتا ہے۔ یہی ندیم
کے فن کا وہ منفرد انداز ہے جو اسے دوسرے افسانہ نگاروں سے ممتاز کرتا ہے۔(3)

مذکورہ رائے کی روشنی میں ان کے افسانے "پاؤں کا کانٹا" میں موجود نسائی کردار کا مطالعہ کیا جائے تو ہم باآسانی اس نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں کہ ان کا مشاہدہ کس قدر عمیق تھا اور وہ انسانی نفسیات کا کتنا ادراک رکھتے تھے۔

ہمارے معاشرے میں عورت کو بچپن ہی سے مالِ مسروقہ کی طرح رکھا جاتا ہے۔ اس کے جذبات کو پہلے اپنے گھر میں اور پھر سسرال میں اس طرح دبایا جاتا ہے کہ وہ عمر بھر ایک جذباتی گھٹن کا شکار رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی اسے کوئی موقع دستیاب آتا ہے وہ کسی نہ کسی جرم کی طرف راغب ہو کر اپنے اندرونی اُبال سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ یہ رویہ ابتدا میں تو اتنا نقصان دہ نہیں ہوتا لیکن بعض اوقات بڑی

خطرناک صورت میں سامنے آسکتاہے۔ یہ ضروری نہیں کہ تمام عورتوں میں یہ انتہائی شدت صرف جذبات کے باعث ہو،اکثراوقات مجرمانہ ذہنیت بھی اس کے پیچھے کارفرماد کھائی دیتی ہے۔احمدندیم قاسمی اپنےافسانے 'پاؤں کاکانٹا 'میں عورت کی ذات کاوہ پہلوسامنے لائے ہیں جس کی مثالیں ہمارے معاشرے میں عام مل جاتی ہیں۔یہ ایک سوتیلی ماں کی کہانی ہے جو اپنے سوتیلے بیٹے کومختلف حیلوں بہانوں سے ذہنی اور جسمانی اذیت پہنچاتی ہے۔وہ اگر کبھی باپ کے سامنےماں شکایت کرتاہےتوباپ الٹااسےہی مار کرشرمندہ کرتا ہے۔ایک دن اس کےپاؤں میں کانٹاچبھتاہے،کانٹانکالتےوقت جب وہ تکلیف سےچیختا ہےتواس کی سوتیلی ماں آکراسےمارتی ہے۔ اس دوران پاس پڑےہوئےڈیوٹ سےاس کےکپڑوں میں آگ لگ جاتی ہےجس سےوہ بُر ی طرح جھلس جاتاہے۔جب اس کےباپ کوپہلی بیوی کی مغموم روح اپنےسامنے آنسوبہاتی ہوئی محسوس ہوتی ہے تو اس کادل بھی نرم پڑجاتاہے۔ ایک موقع پر جب وہ غصے کی حالت میں بیوی کوپکارتاہےتواس کی بےحسی اس وقت بھی اس کے سرپرسواررہتی ہے۔

"وہ گھی میں لقمہ بھگوکربولی"اچھاہوجائے گا۔بچے جلتےہی رہتے ہیں اکثر۔تم پرتوجیسے قیامت ٹوٹ

پڑی ہے۔اچھاہوجائے گاکمبخت۔تم کیوں اپنی جان ہلکان کرتےہو ۔اِدھر آؤ۔کھاناکھالو۔"(4)

مگرسوتیلی ماں کی مسلسل سردمہری سےاس کےباپ کواب احساس ہوجاتاہےاس لیےوہ اپنی پہلی بیوی سےبہت شرمندگی محسوس کرنے لگتاہے،جس کے ساتھ اس نےوالدین کی باہمی دشمنی سےبےپرواہوکر ہمیشہ کے لیےایک ہونےکاعہد کیاتھا۔وہ بیٹےکاعلاج تواترسے کرنے لگتاہے لیکن اس تمام کوششوں کے باوجوداس کی حالت روز بروز ابتر ہوتی جاتی ہے۔حکیم کاخیال تھاکہ اس کےزخموں کوروزانہ کوئی چھیڑ دیتاہے۔ایک دن جب اس کی حالت بگڑ جاتی ہے تواس کےباپ کےاندربےچینی اورپشیمانیوں کادوزخ دہکنےلگتاہےمگراس حالت میں بھی اس کی سوتیلی ماں ایک کونے میں انگریزی صابن سےمنہ اورپاؤں دھورہی ہوتی ہے۔اس دوران اسےایک بارہوش مگرآتاہےلیکن پھر یہ سلسلہ اس وقت ہمیشہ کے لیے تھم

جاتا ہے جب اس کے زخموں کو انتہائی بے دردی سے چھیلا جاتا ہے اور وہ اس سے جانبر نہیں ہو پاتا۔اس افسانے کے بارے میں ڈاکٹر انوار احمد رقمطراز ہیں:

"پاؤں کا کانٹا" ایک جذباتی افسانہ ہے جس میں سوتیلی ماں کو بچے کی روح کا ہی نہیں جسم کا قاتل بھی دکھایا گیا ہے۔

بچے کی بیماری، بھوکا کوا، پریشان باپ اور بڑھتا زخم مل جل کر افسانے کو ایک نہایت موثر قصے کی سطح پر لاتے ہیں۔"(5)

ڈاکٹر انوار نے اس افسانے سے متعلق ایک سرسری سی رائے قائم کر کے یہ بھی بتایا ہے کہ یہ ایک عام سا افسانہ ہے، لیکن اس افسانے کے کردار کے باطن کو جب ہم خارجی حقائق سے ملا کر سوچتے ہیں تو یہ افسانہ کئی حوالوں سے خصوصی نوعیت کا بن جاتا ہے۔کیونکہ اس میں اصل بات رویوں کے پیچھے موجود صورتِ حال اور صورتِ حال کے آئینے میں ایک خاص ذہنیت کا سامنے آنے ہے۔ان پس پردہ محرکات کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ کردار کے اندرونی انتشار کو اپنے اندر تحلیل کیا جائے۔

یوں تو مغربی ممالک میں شراب پی کر ماؤں کا ذہنی پریشانی کے عالم میں بچوں پر بے رحمانہ تشدد کے اکثر واقعات سامنے آتے رہتے ہیں۔مگر مشرقی معاشرے میں ایسا رویہ عموماً سوتیلے بچوں کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے۔چونکہ ہمارے معاشرے میں عورتوں کا مقام قابلِ تحریم سمجھا جاتا ہے اور عام طور پر کسی جرم میں اس کو سامنے نہیں لایا جاتا اس لیے اس چیز کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اکثر عورتیں مخفی یا پوشیدہ فطرتِ جرم کی طرف راغب ہو جاتی ہیں۔اس قسم کے جرائم کی مثالیں عورتوں ہی میں ملتی ہیں۔مردوں کا طریقۂ واردات اس سے مختلف ہوتا ہے۔جہاں تک سوتیلے ماں باپ کے حوالے سے نفرت اور بے زاری کے جذبات کا معاملہ ہے تو یہ کم یا زیادہ صورتوں میں موجود ضرور رہتا ہے لیکن اس کے اظہار کا طریقہ اور مواقع مختلف ہو سکتے ہیں۔انعام الرّحمٰن سحریؔ کے مطابق:

"سوتیلی ماں کا اپنے بچوں یا سوتیلے باپ کا اپنے بچوں سے نفرت کا جذبہ اپنا رنگ ایک دن میں نہیں دکھاتا

لیکن اندر اندر سے افراد کے دماغ کو شکنجے میں کستا جاتا ہے۔"(6)

سوتیلے پن کا یہ لاواجب پھوٹتا ہے تو اس کا نتیجہ بچوں کے قتل کی صورت میں سامنے آتا ہے۔افسانے میں موجود کریم کی سوتیلی ماں کا اگر جائزہ لیا جائے تو اس کے انتہا پسندانہ اقدامات کے پیچھے اس کے سماج میں موجود کمزوریوں کے ساتھ ساتھ اس کی جنسی وجذباتی کیفیت بھی متحرک نظر آتی ہے۔سوتیلی ماں سے وابستہ ظلم وستم کا تصور ہمارا وہ سماجی رویہ ہے جس سے کوئی بھی عورت اپنا پیچھا نہیں چھڑا سکتی۔اسی طرح ماں باپ کے گھر میں بیٹی کی حیثیت سے جس طرح اس کی کڑی نگرانی ہوتی ہے اس سے نکلنے کے لیے وہ شوہر کے گھر کو درِ نجات سمجھتی ہے جہاں وہ اپنی تمام تر جنسی جذبات کو تسکین پہنچانے کی خواہش لے کر، جاتی ہے اور سب کچھ چھوڑ کر جانے کے باوجود بھی خود کو دھنی سمجھتی ہے۔لیکن جب وہاں وہ اپنے اور شوہر کے درمیان کسی اور وجود کو پاتی ہے تو اس کی تشنگی اسے بے حال کرنا شروع کر دیتی ہے۔ یہاں یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ اگر عورت اپنے اور شوہر کے بیچ کسی اور وجود کو قبول نہیں کر سکتی تو پھر اپنے بچوں کا وجود اس کے لیے کیسے قابلِ قبول ہوتا ہے؟اس ضمن میں یہ بات وضاحت طلب ہے کہ اپنے بچوں کے لیے ماں اس لیے جگہ چھوڑ دیتی ہے کہ وہ اسی کے وجود کے حصے ہوتے ہیں۔ دوسری صورت میں باقی ہر وجود اسے اضافی محسوس ہوتا ہے۔یہاں تک کہ وہ شوہر کی ماں اور اس کے دوستوں تک کو بھی اپنا رقیب سمجھنا شروع کر لیتی ہے۔بعض صورتوں میں تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ ماں اپنے ہی بچوں سے بھی ایک غیر محسوس حسد کرتی ہے۔وہ اپنے بچوں کو اسی لیے باپ سے سزا دلواتی ہے تاکہ بچوں اور باپ کے درمیان ایک فاصلہ رہے اور ان کے درمیان کوئی تیسرا وجود حائل نہ رہ سکے۔

کریم کی سوتیلی ماں کا اسے قبول نہ کرنے اور اسے خود سے دور رکھنے کی ایک وجہ اس کے شوہر کا رویہ بھی ہے۔ ایک لحاظ سے یہ کہنا بجا ہو گا کہ اس کے رویے میں جارحانہ انداز اس کے شوہر کے رویے ہی سے آتا ہے۔ جب وہ یہ دیکھتی ہے کہ کس طرح اس کے شوہر نے محبت سے پانے والی پہلی بیوی کو بھلا دیا ہے،تو اسے یہ خوف گھیر لیتا ہے کہ اس بچے کی وجہ سے وہ بھی اسے کھو سکتی ہے۔دوسری طرف اس کے ذہن کے نہاں خانوں میں کہیں یہ بات بھی موجود رہتی ہے کہ اگر وہ اپنی محبت کا نہ ہو سکا تو اس کا بھی نہیں بن

سکتا۔احمد ندیم قاسمی کے افسانوں سے متعلق یہاں ڈاکٹر سعادت سعید کی رائے اس کردار کی نفسیاتی کیفیت کو ایک تقویت دیتی ہے۔وہ لکھتے ہیں:

"احمد ندیم قاسمی کے افسانے ،ایک زندہ شعور کے حامل افسانہ نگار کے افسانے ہیں۔ انہوں نے معروضی اور سائنسی نقطہ نظر
سے زندگی کے حقائق کا کچھ اس طور مطالعہ کیا ہے کہ فرد کے باطنی رجحانات، جذبے کے اسرار اور رومانوی رویے بھی نظروں
سے اوجھل نہیں ہوتے۔"(7)

یہی وجہ ہے کہ زیرِ بحث افسانے میں سوتیلی ماں کا یہ کردار، شوہر کی پہلی بیوی کی کوکھ سے جنم لینے والے بیٹے کو اپنانے، اور اس کی خدمت کرنے کے لیے ذہنی طور پر تیار نہیں ہوتی۔اس کے علاوہ یہ پہلو بھی توجہ طلب ہے کہ افسانے میں کہیں اس کے اپنے بچوں کا تذکرہ بھی نہیں ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کمی کا احساس بھی اسے اندر سے دیمک کی طرح چاٹ رہا ہے۔ کیونکہ عام مشاہدے میں یہ بات آتی ہے کہ اگر عورت کے ہاں اولاد نہ ہو تو وہ حسد کے باعث سوتیلے بچوں کو تشدد کا نشانا بناتی ہے۔بغیر کسی معقول وجہ کے ایسے تشدد میں عورتیں مجرم کم اور نفسیاتی مریض زیادہ ثابت ہوتی ہیں۔لیکن کریم کی ماں بہ یک وقت کئی قسم کی نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہے۔دیکھا جائے تو اس کا مسئلہ یہ بھی ہے کہ وہ اس گھر میں آخر تک اپنی اجارہ داری قائم رکھنا چاہتی ہے۔اسے یہ خدشہ رہتا ہے کہ اگر اس کے لہجے اور رویے میں نرمی آگئی تو عین ممکن ہے کہ وہ لوگ اس پر مسلّط ہو جائیں۔اس لیے وہ کریم کو نفسیاتی طور پر کمزور بنا کر اپنے زیرِ تسلط رکھنا چاہتی ہے۔ اپنے گھر اور شوہر پر مکمل دسترس کی خواہش ہر عورت کے اندر رہتی ہے۔ شادی کے بعد وہ شوہر کے سبب جس سرشاری اور خود اعتمادی سے روشناس ہوتی ہے اسے وہ کسی قیمت پر بھی ہاتھ سے جانے دینا نہیں چاہتی۔ڈاکٹر سلیم اختر کے خیال میں:

"اس کی بنیادی وجہ تو اس کا نسائی پندار اور صنفی غرور ہے وہ یوں سوچتی ہے کہ وہ جو اپنی پُر بہار دنیا چھوڑ چھاڑ، اس

کی زندگی میں بہار بن کر آئی اور اپنے جسم کی اچھوتی بہاریں اسے سونپ دیں۔اب اگر ان سب کے معاوضہ میں
وہ اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنے بس میں نہیں رکھ سکتی تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ بحیثیت عورت اس میں کوئی
خامی ہے۔۔۔اس طرح کی صورتِ حالات سے پیدا شدہ احساسِ کمتری اس کے لیے ایک زندہ گالی بن کر اس کے
شعور سے کنکھجورے کی طرح چپک کر رہ جاتا ہے۔"(8)

اس بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ خود کو مکمل عورت منوانے کی شدت میں کریم کی سوتیلی ماں راہِ اعتدال سے ہٹ کر انتہا پسندی کے دائرے میں داخل ہو جاتی ہے جس کے باعث وہ اس معصوم بچے کی جان لینے سے بھی نہیں کتراتی اور اسے راستے سے ہٹانے کے لیے انتہائی بے دردی سے اس کے زخم چھیلتی ہے۔جب کہ کریم کے خوف اور بے بسی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ وہ سب کچھ خاموشی سے سہتے سہتے موت کو گلے لگا لیتا ہے لیکن اپنی زبان نہیں کھولتا۔

حوالہ جات:

1)فوزیہ اختر، احمد ندیم قاسمی کی افسانہ نگاری، مشمولہ:راوی،لاہور، جی سی یونیورسٹی، 2007ء،ص۔115

2)قاسمی،احمد ندیم،طلوع وغروب،لاہور،گلوب پبلشرز،1989ء،ص ص۔9/10

3)قمر رئیس، پروفیسر، اردو میں بیسویں صدی کا افسانوی ادب، دہلی، کتابی دنیا،2004ء، ص۔121

4)قاسمی،احمد ندیم،پاؤں کا کانٹا،مشمولہ:فنون،شمارہ۔۱۳۴،لاہور:۲۰۱۳ء،ص۔۱۶۲

5)انوار احمد،ڈاکٹر،اردو افسانہ ایک صدی کا قصہ،فیصل آباد،مثال پبلشرز،2010ء،ص۔274

6) انعام الرّحمٰن سحری،عورت جرائم کی دلدل میں،لاہور:سنگِ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۱ء،ص۔۱۸۳

7)سعادت سعید،ڈاکٹر،سپاٹ حقیقت نگاری یا جدلیاتی نتارے،مشمولہ:راوی،محولہ بالا،ص۔100
8) سلیم اختر،ڈاکٹر،عورت جنس اور جذبات،لاہور:سنگِ میل پبلی کیشنز،۱۹۹۹ء،ص۔۱۲۲